تحقیقی مجلہ تصدیق
جلد ۰۱ شمارہ ۰۵، ۲۰۲۳

Article

SPECIFIC ASPECT OF PSYCHOLOGICAL ELEMENTS IN WAZIR AGHA'S POEMS

وزیر آغا کی نظموں میں نفسیاتی عناصر کا اختصاصی پہلو

Dr. Saira Irshad*[1]

[1] Lecturer, Department of Urdu, Government Sadiq College Women University, Bahawalpur/ Post Doctorate Research Fellow, International Islamic University, Islamabad

*Correspondence: saira.irshad@gscwu.edu.pk

[1] **ڈاکٹر سائرہ ارشاد**

[1] لیکچرار، شعبہ اردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی، بہاولپور / پوسٹ ڈاکٹریٹ ریسرچ فیلو، انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

ABSTRACT: Wazir Agha was known as a critic but first of all, he is a poet. He started his literary career as a poet. Wazir Agha's poem presents a rich picture of human psychology. Man has been in search of the mystery of existence since eternity. Wazir Agha presented such excellent symbols in his poetry that these symbols and metaphors become an effort of mere suffering, oppression, unconscious, or mere optimism and sovereignty beyond the conscious and the subconscious. Wazir Agha is not only an authentic reference to human psychology but also to modern psychological theories. He not only describes his sexual experience but also the effects of childhood on human life, repression of emotions in youth, fear of death in middle age and the revelation in old age also describes the caste very well.

KEYWORDS: Wazir Agha, Narcissism, Anxiety, Unconscious, Conscious, Intuitive, Confession, Subconscious, Human Psychology, Criticism

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210
DOI:https://doi.org/10.56276/tasdiq.v5i01.157
Received:21-05-2023
Accepted:06-07-2023
Online:10-07-2023

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

وزیر آغا اردو ادب کا ایک روشن ستارہ ہیں۔ انھیں اردو نقد و ادب کے ہر میدان کا شہسوار کہیں تو بے جا نہ ہو گا۔ اپنے لفظوں کی چھاگل سے دنیائے ادب کو بیدار کرنے والے وزیر آغا کی ادبی شخصیت کے بہت سے رُخ اور زاویے ہیں۔ انھوں نے بحیثیت شاعر، ادیب، نقاد، سوانح نگار، مدیر، دیباچہ نگار، مکتوب نگار، انشائیہ نگار اور اعلٰی درجے کے تخلیق کار ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ اردو شاعری کے میدان میں اُترے تو کچھ اس ادا سے کہ شہرہ آفاق اشعار سے دنیائے شاعری کے کینوس پر اپنے نقوش ثبت کر گئے۔ انھوں نے اردو شاعری کو علامتوں اور استعاروں کے وسیع جہان سے آباد نظمیں اور غزلیں عطا کیں جن میں مقامی تہذیب اور ہندوستان کی تاریخ کی بو باس موجود ہے۔ دنیا کی تقریباً بارہ زبانوں میں ان کی تخلیقات کے تراجم منظر عام پر آ چکے ہیں۔ اردو نقد و ادب کی کوئی بھی تاریخ وزیر آغا کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ وزیر آغا جو علم طبعیات، مابعد الطبعیات اور علم نفسیات میں نہ صرف دلچسپی رکھتے تھے بلکہ ان کا بغور مطالعہ بھی کیا۔ ان کے اس وسیع مطالعہ کا عکس ان کے طرز تحریر میں بھی جھلکتا ہے۔ انسانی نفسیات و کردار اور معاشرے میں ثنویت کی موجودگی اور دو قوتوں کی کارفرمائی ان کے ہاں نمایاں ہے۔ جس طرح خیر و شر کی قوتیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں اسی طرح انسانی کردار میں ظاہری و باطنی سطحیں موجود ہوتی ہیں۔ روز مرہ زندگی میں انجام پانے والے تمام افعال ظاہری سطح پر وقوع پذیر ہوتے ہیں مگر ان کا رشتہ ہمیشہ باطن یا انسانی نفسیات سے جا ملتا ہے۔ انسانی سوچیں اس کی شعوری و لاشعوری سطح کی نمائندگی کرتی ہیں۔ عام طور پر انسان کسی دکھ، خوف، تنہائی، بیماری، موت، حادثے اور کرب سے دوسری سطح تک پہنچتا ہے تو ظاہری تموج کو آسودگی ملتی ہے۔ بقول وزیر آغا:

"ایک فن کار دراصل تخلیقی دباؤ کے تحت محض ان دو سطحوں کو مربوط کرنے کا فریضہ ادا کرتا ہے۔"(۱)

وزیر آغا اپنی عملی زندگی میں بھی جذبات و احساسات کا اظہار بخوبی کرتے ہیں ساتھ ہی ساتھ اپنی تحریروں کو بھی اس سے آراستہ کرتے ہیں۔ اگر بات کی جائے ان کی نظموں کی تو جس تناظر میں وزیر آغا نے نظمیں تحریر کیں وہ انسانی نفسیات کی عمدہ غمازی کرتی ہیں۔ انھوں نے انفرادی و اجتماعی انسانی لاشعور کو بھی اپنی نظموں کا موضوع بنایا ہے، اور انفرادی و اجتماعی دکھوں، تکلیفوں اور کرب کو بھی لاشعوری سطح سے شعور کی سطح پر لانے کا عمدہ نمونہ پیش کیا۔ وزیر آغا اپنی خود نوشت "شام کی منڈیر سے" اس احساس کمتری کو بیان کرتے ہیں جو جسمانی کمزوری کے سبب ان کی شخصیت کا حصہ بنا اور پھر بعد میں اسی احساس و جذبات کا اظہار کرنا فطری عمل تھا جو کہ انسانی نفسیات کی عکاسی کرتا ہے۔ ماہر نفسیات ایڈلر نے بچپن کی کمزوریوں اور احساس کمتری کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"ان بچوں کی توجہ اپنی ذات سے ہٹا کر دوسری طرف مرکوز کرنا ضروری ہے۔"(۲)

وزیر آغا انکشاف ذات، وجدانی ادراک اور خود اعتمادی کے مفاہیم کو نا صرف بہتر طور پر جانتے تھے بلکہ اپنی شاعری کی علامات میں سمو کر قارئین کے دلوں کو بھی اس کی لُو سے گرمایا۔ انھوں نے اپنی شاعری میں ایسی ایسی عمدہ علامات کو پیش کیا کہ یہ علامات اور تمثالیں محض دکھ، جبر، لاشعور، یا محض رجائیت اور مختاری شعور سے آگے اور شعور کی درمیانی لکیر، یعنی تحت الشعور کی کاوش بن جاتی

ہیں۔انھوں نے اپنی عملی زندگی میں ظاہر و باطن، گاؤں اور شہر کی زندگی میں توازن قائم کرنے کی جو شعوری کوشش کی اسی کاوش نے ان کی شاعری کو شخصی اور وجدانی اقرار کا شاخسانہ بنا دیا۔ان کی متعدد نظموں میں اور مجموعہ کلام میں دھرتی اور دھرتی کی کوکھ سے جنم لینے والے نفسیاتی و تہذیبی عناصر ذاتی شخصی عناصر پر حاوی نظر آتے ہیں۔ان کی نظموں کے درج ذیل اقتباسات ان کی شخصیت کے اجتماعی اور تہذیبی شعور کے عکاس ہیں۔یاد ماضی انسانی نفسیات کا خاصہ ہے۔گزرے لمحے انسانی لاشعور میں محفوظ ہوتے ہیں جو رہ رہ کر انسان کو ماضی کی یاد دلاتے ہیں اور اس کی سوچوں پر حاوی رہتے ہیں۔اس حوالے سے وزیر آغا کی نظم "یاد" اجتماعی لاشعور کی عکاس ہے:

ہوا کا جب بے قرار جھونکا
خزاں کی بے نور انجمن سے
لگا بڑے ناز سے گزرنے
تو سوکھے پیڑوں نے سر اُٹھا کر
نحیف بازو ہلا ہلا کر
خزاں کے اس شوخ میہماں پر سنبھلتے، گرتے، ہزاروں پتے
کئے بڑی دیر تک نچھاور !
گزر چکا ہے ہوا کا جھونکا
روش روش پر ہیں غم کے مارے
خزاں کے ٹوٹے ہوئے سہارے (۳)

وزیر آغا سماجی شعور سے واقف ہیں جس کا نمایاں ثبوت ان کی نظم نگاری میں دیکھا جا سکتا ہے۔وہ بیسویں صدی کی مشینی زندگی کے طفیل جنم لینے والے مسائل سے نا صرف آگاہ تھے بلکہ انھوں نے اس مشینی انسان کے تھکے ہوئے وجود کو سماجی تناظر میں عمدگی سے پیش کیا۔ "کوہ ندا" ان کے اس شعور ہی کی علامت ہے اور بے حد معنی خیز،اس پہاڑ سے ہر صبح لاکھوں کروڑوں لوگوں کو بلاوا آتا ہے۔لوگ غفلت کے خواب سے بیدار ہوتے اور آنکھیں ملتے اس بلاوے پر بے اختیار لپکتے چلے جاتے ہیں اور پھر ان کی خبر نہیں آتی۔:

صبح سویرے

ایک لرزتی،کانپتی آواز آتی ہے

سونے والو، تم مالک کو بھول گئے ہو

تم مالک کو بھول گئے ہو!

پھر چمکیلی مل کا سائرن

ایک غلیظ، ڈرانے والی

تند صدا کے روپ میں ڈھل کر

دیواروں سے ٹکراتا ہے

اور گلیوں کے

تنگ اندھیرے باڑے میں کہرام مچا کر

بھیڑوں کے گلے کو ہانک کے لے جاتا ہے (۴)

وزیر آغا نے ایسے انسان کی تصویر اپنی متعدد نظموں میں کمال مہارت سے کشید کی ہے۔ کبھی چیختی آوازوں کا ذکر کرتے ہیں تو کبھی زنگ آلود پہیوں کی آواز کو ایک چیخ کے مترادف قرار دیتے ہیں:

ایک ننگی چیختی آواز

پھر چابک کا شور

کھڑ کھڑاتے زنگ آلودسے پہیوں کی صدا

اور میں آواز کے آگے جُتا

میری آنکھوں پر نقاب

میرے منہ میں خار دار آہن کی جیب (۵)

یہ انسان جو معاشرتی حیوان کی طرح گھاٹیوں سے بے خبر اور خندقوں سے بے نیاز سرپٹ دوڑ رہا ہے، اس عہد کا نمائندہ انسان ہے جس میں صنعتی ترقی کی تباہ کاریوں کی وجہ سے انسان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کافی حد تک ختم ہو گئی ہے۔ وہ اپنے وجود کی بقاء میں دنیاو مافیا سے بے خبر محو جنگ ہے۔ ایک ایسی جنگ جو اس کے وجود کے نہاں خانوں میں خوف، وسوسوں، کرب اور احساس تنہائی کے ہتھیاروں سے انسان کے وجود کو چھلنی کرتی چلی جا رہی ہے:

"وزیر آغا نے علامتی اسلوب میں اس کے بطان میں پرورش پانے والے، اس کے خون پر پلنے اور
اس کی رگوں سے زندگی کا تمام رس نچوڑ لینے والے کرب کو بڑی خوبی سے اُجاگر کیا ہے۔"(۶)

وزیر آغا نے اس معاشرتی انسان کو کرب سے مغلوب ہونے یا دکھ کے آگے سپر ڈال دینے کی راہ نہیں دکھائی، انھوں نے دکھ کو زندگی کا جزو قرار دیا ہے۔ دکھ کا ایک رُوپ تو وہ ہے جو انسان کے مادی وجود سے ناکردہ گناہوں کی حسرت سے پھوٹتا ہے۔ اس قسم کے دکھ کی افزائش ان تقاضوں پر ہوتی ہے جو زمین کی کشش ثقل کی پیداوار ہیں اور انسان کی روح کو سبکسار کرنے کی بجائے بوجھل کر ڈالتے ہیں۔ اس قسم کا دکھ وزیر آغا کا موضوع نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وزیر آغا نے انسان کو جسم سے نجات حاصل کرنے یا معاشرے سے الگ ہو جانے کی دعوت نہیں دی۔ ان کا کہنا تھا کہ دکھ آنکھوں کے راستے آنسو بن کر بہہ نکلتا ہے اور اپنے ساتھ دل پر پڑی ہوئی بھاری سل کو بھی بہالے جاتا ہے۔ وزیر آغا نے اس کی عکاسی اپنی نظموں میں متعدد مرتبہ کی ہے:

مکانوں کے جسموں سے گاڑھے پسینے کو خارج کریں

کھانستی ہوئی شاہراہیں

ہراساں، غصیلی تھکی ٹیکسیاں

پرانے گرانڈیل پیڑوں کے کٹنے کا منظر

شکستہ عمارت کی ہڈیوں پر

مُڑی چونچ والے سیہ فام بُل ڈوزروں کے

جھپٹنے کا وحشی سماں (۷)

وزیر آغا نے دکھ کے جو ہزار روپ دکھائے ہیں ان میں بیشتر انسان کی داخلی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ دکھ روحانی نوعیت کا ہے جو لاشعوری طور پر اپنی پرورش انسان کے بطون میں کرتا ہے۔ یہ دکھ چہرے پر تو دکھائی نہیں دیتا۔ یہ دکھ ہاتھ کی ریکھاوں پر بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ اس دکھ کو صرف دیدہ بینا رکھنے والا شاعر ہی دیکھ سکتا ہے۔ جنس مخالف کی کشش انسانی نفسیات کا حصہ ہے۔ جنسی نفسیات کی عکاسی بھی وزیر آغا نے اپنی نظموں میں عمدہ انداز میں کی ہے۔ کہیں وہ عورت کو بطور آئیڈیل پیش کرتے ہیں تو کہیں مختلف علامات کا سہارہ لے کر انفرادی و اجتماعی نفسیات کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی متعدد نظموں میں عورت کو موضوع بنا کر مرد کی نفسیات کو اُجاگر

کیا ہے۔ ۱۹۶۰ء کے بعد عورت کے کندن بدن کی جھلک دیکھتے ہیں۔ عورت کے پاس محبوبہ کی حیثیت میں اس کا بدن اور اس سے پھوٹتی ہوئی جنسی خوشبو ہے۔ ان کی نظم "نیا سال" میں ایک ایسی ہی عورت شاعر کے روبرو آتی ہے:

"وزیر آغا نے ارضی زندگی کے اس تجربے کو ایک اور یجنل تخلیقی تجربے سے منقلب کیا ہے۔ یعنی انھوں نے مرد عورت کے جنسی وصال کی افقی و عمودی دونوں سمتوں میں بیک وقت سفر کیا ہے۔ اس طرح جہاں وصل کے تجربے کے معروضی نقوش (ایک خاص اسلوب میں) ابھرے ہیں ۔ وہاں اس تجربے کی معنویت بھی اجاگر ہوتی ہے۔"(۸)

"بوجھل خوشبو" وصل کے تجربے کی روئیداد ہے۔ شاعر شرمیلے پاگل بھونروں اور نازک پریوں کے جھرمٹ میں محبوبہ سے ملاقات کرتا ہے۔ محبوبہ نے خوشبو کی چادر اوڑھ رکھی ہے۔ اور دراصل اس خوشبو نے ہی پھولوں کو شرمیلا اور بھونروں کو پاگل بنا رکھا ہے۔ یہ خوشبو اپنے داخلی ہیجان کے تحت رقص کرتی ہے:

نٹ کھٹ، بانکی تیز سی خوشبو

ناچ ناچ کر ہاری

چت لیٹ گئی۔ (۹)

ماں کی محبت ایک انمول اور فطری جذبہ ہے ماں خاندان کی اکائی کو متحد و مستحکم رکھنے کے لیے ریاستی قسم کی پالیسیوں سے کام نہیں لیتی بلکہ اس کی ذات کی ملائمت و محبت جسے عام طور پر ممتا کہا جاتا ہے ہی خاندانی اتحاد و استحکام میں کام آتی ہے۔ ایسے انمول رشتوں سے بچھڑ جانے کا خوف ان کے لاشعور میں پوشیدہ رہتا ہے اور کبھی نہ کبھی زندگی کے کسی موڑ پر لاشعور کی حدود کو عبور کرتا ہوا شعوری سطح پر اُبھرتا ہے اور انسان کو ایک انجانے خوف اور کرب میں مبتلا کر جاتا ہے:

"اس مقام پر دو باتیں قابل غور ہیں یہ کہ ماں ایک ایسی ہستی ہے جو زندگی کے کڑے سفر میں گہری، مانوس چھاؤں، میٹھی سی راحت اور وہی لوریاں دیتی ہے۔ اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ خود ماں کی فطرت یہی ہے۔"(۱۰)

وزیر آغا کی نظمیہ شاعری ان کے اندرونی اور نفسیاتی دباؤ کا نتیجہ ہے۔ ان کے اس نفسیاتی دباؤ کا اندازا ان کی نظموں کے آہنگ اور علامتوں کے تخلیقی اور فن کارانہ استعمال سے ہوتا ہے۔ ان کی نظمیں کسی واقعے یا حادثے کا ردعمل بلکہ واقعات و حادثات کی یادوں میں اُبھری ہوئی پرچھائیاں ہیں جن میں اندھیرے اور اُجالے گلے ملتے ہیں۔ جس کی اہم مثال نظم "سیل بلا" ہے۔ شاعر نے جس خوبصورتی سے غم دنیا اور غم حیات کو ایک لڑی میں پرویا ہے وہ ایک مثبت سوچ رکھنے والا شخص ہی کر سکتا ہے:

"اس مختصر سی نظم میں وزیر آغا نے جس چابک دستی سے انسان، غم حیات اور تسلسلِ
زماں کی یک جائی سے ایک صورت بقاء پیدا کی ہے، وہ ان کی فکر اور شاعری دونوں کے
مثبت رُخ کو روشن کرتی ہے۔" (۱۱)

وزیر آغا کی متعدد نظموں میں موت یا موت سے پیدا شدہ صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ "درانتی"، "بیوگی"، "صدا کبھی لوٹتی نہیں"، "مچھ ریکھا" اس کرب سے روشناس کرتی ہیں کہ انسان کی ازلی مجبوری اور موت کے آگے محکومی کا احساس شدید ہو جاتا ہے۔ "درانتی رقص کرتی ہے" میں زندگی کی ناپائیداری اور دیکھتے دیکھتے نسلوں کے گم ہو جانے کا بہت ہی فنکارانہ اظہار ہوا ہے۔ درانتی موت کی بے رحمی کی زندہ تجسیم ہے اور موت کا خوف انسان لاشعوری طور پر ہر وقت محسوس کرتا ہے۔:

درانتی—

ناچتی!

بھوری زمیں پر صورتِ تلوار پھرتی ہے

درانتی رقص کرتی ہے!! (۱۲)

وزیر آغا نے اپنی نظموں میں شعوری طور پر کسی قسم کی دانش سمونے کی کوشش نہیں کی بلکہ یہ ان کے خالص جذبے کا حقیقی اظہار ہیں۔ ان کی نظموں میں تجربہ اپنی قلبی ماہیت کے بعد غیر شعوری طور پر سما جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے ہاں علامت کی تخلیق کا عمل بھی لاشعوری ہے۔ جنگل، ہوا، دھرتی، برکھا وغیرہ جیسی علامتیں بھی زرعی معاشرے کے بدن سے ہی پیدا ہوئی ہیں اور ان کے نظام اظہار میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ان علامتوں کے عرضی نقوش مزید یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ انھوں نے دیومالا اور تاریخ سے بھی خاطر خواہ فائدہ اُٹھایا ہے۔ وہ نظم کی تخلیق کے لیے جب نامعلوم کے ساتھ رابطہ پیدا کرتے ہیں تو دراصل اپنی موجودگی د دنیا سے کٹ جاتے ہیں اور لاشعور کے گہرے سمندر میں غوطہ لگاتے ہیں۔ واپس آتے ہیں تو اپنے ساتھ وہ قیمتی اثاثہ بھی لاتے ہیں جو اس سمندر کی تہہ میں عرصے سے محفوظ پڑا تھا:

فضا میں اُڑتے ہوئے تو نے دیکھا

میں اک بانجھ پتھر پہ ریشم کی ڈوری میں جکڑا پڑا تھا

مرے گرد تازہ لہو کی گھنی بُو نے اک دائرہ بُن لیا تھا (۱۳)

نظم "اُجڑتا شہر" میں سیہ رو قلندر در حقیقت روم کے نیرو کا ہمزاد ہوا اور شہر کی تباہی پر بے نیازی سے لوہے کا چمٹا بجائے جا رہا ہے۔ وہ اپنے ارد گرد پھیلے خوف، درد میں ڈوبے قہقہوں کے چیخ میں بدلنے پر بھی بے حس بنا اپنی دھن میں مگن بڑھا چلا جا رہا ہے۔ شکست

ذات اور انسانی اندرونی کرب و اضطراب جیسی کیفیات کی منظر کشی میں وزیر آغا کمال مہارت رکھتے ہیں۔ اسی نظم میں مزید آگے چل کر بریکوں کی آواز کو ایک کرب ناک چیخ سے تشبیہ دیناوزیر آغا کے لاشعوری محرکات کی عکاسی کرتا ہے۔اس نظم میں انسان کی بے قراری کی کیفیات کو بہت عمدہ طریقے سے بیان کرناوزیر آغا کے گہرے مشاہدے و تجزیہ کی جانب اشارہ کرتا ہے:

مگر تم نے دیکھا

یہ چھتنار سائباں

سبز مخمل کا بستر

بدن کی حرارت

تمہیں کتنی مہنگی پڑی ہے(۱۴)

وزیر آغا کی اک اور نظم "اندر کے رونے کی آواز" انسانی نفسیات کی بہترین عکاس ہے۔اس میں انفرادی غم کو اجتماعی غم کے مماثل بناکر پیش کیا گیا ہے۔جو ایک نفسیاتی عنصر ہے۔وہ اپنے اور خارج میں پائے جانے والے غم میں مماثلت محسوس کرتے ہیں اور انھیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ مختلف مظاہر فطرت پر بھی المیہ صورت حال طاری ہے اور وہ مختلف مظاہر بھی اسی غم کے آگے بے بس ہیں۔یہ وزیر آغا کا ہی نفسیاتی شعور ہے کہ وہ ریل کی آواز کو دکھ بھری چیخ سے تشبیہ دے کر اپنی نفسیاتی کیفیات کا اظہار کرتے ہیں۔

بیسویں صدی اس وجہ سے بھی خاصیت رکھتی ہے کہ اس میں انسان کو بے پناہ مادی اور دنیاوی آسائشیں بھی ملی ہیں اور اس کے ساتھ ایک نا ختم ہونے والا کرب بھی۔ مجموعی طور پر اس نظم میں جو تاثر اُبھرا وہ یہ ہے کہ حیات انسانی مسلسل سفر کا نام ہے۔وزیر آغا کی متعدد نظموں میں بیسویں صدی کا منظر نامہ موجود ہے۔ان نظموں میں "اک کتھا انوکھی" انفرادی لحاظ سے یوں اہم ہے کہ اس طویل نظم میں دور جدید کے انسان اور اس کو پیش آنے والی صورت حال کو تسلسل سے بیان کیا ہے۔اس نظم کے مطالعہ کے بعد ایک ایسا انسان سامنے آتا ہے جو خوابیدہ ہے اور اسے اپنے ارد گرد سے کوئی سروکار نہیں، بلکہ اس کی ذات ہی اس کا مرکز و محور ہے۔وہ مسلسل بلاوے کے بعد بھی بیدار نہیں ہوتا:

یوں لگتا ہے جیسے اب وہ

اپنی شکتی کھو بیٹھا ہے

یا پھر باہر آنے سے وہ ڈرا ہوا ہے (۱۵)

وزیر آغا نے انفرادیت، تنوع اور فکری گہرائی کے ساتھ نئے موضوعات سے جدید اردو نظم کی دنیا آباد کی۔ان کے موضوعات کا دائرہ فکری بھی ہے، عمرانی بھی،اور تاریخی بھی، مگر ہر موضوع انفرادی و اجتماعی نفسیات کی عکاسی کرتا نظر آتا ہے۔ان کے موضوعات

میں موت، زندگی، وقت، فطرت، زمین، دکھ، وجود اور ذات کی خاصی اہمیت ہے۔ جو شخصی نفسیات اور اجتماعی لاشعور میں بسے جذبات، احساسات اور محسوسات سے جڑے معلوم ہوتے ہیں:

"نظم نگاری شاعروں کی فطرت کا والہانہ ذریعہ اظہار ہے۔ شاعر کی یہ ذات معاشرے اور سیاست میں تبدیلی و انقلاب کے باوجود قائم دائم ہے۔ اس کے علاوہ ان کے کردار عقب اور اجتماعی تحت الشعور کا وہ سمندر ہے جس میں انسانوں کا سارا عقلی اور جذباتی سرمایہ سمٹ کر سامنے آتا ہے۔ نظم نگاری اسی سمندر کی ایجاد ہے۔" (۱۶)

اسی تناظر میں وزیر آغا کی ایک اور نظم "دکھ" ہے۔ زندگی کی بے ثباتی کا دکھ۔ وقت کی گردش اور زندگی کے مراحل، بچپن سے جوانی اور پھر بڑھاپے کا دکھ، اجتماعی اور انفرادی نفسیات کی عکاسی کرتا ہے:

تب ہاتھ کی گرفت سے ہر شے نکل گئی
کھمبا، منڈیر، شاخ، لرزتا ہوا شجر

اور آسماں پہ نقرائی بادل کا ایک پر
مُٹھی نحیف غنچے کی مانند کُھل گئی

اور ہاتھ کی گرفت سے ہر شے نکل گئی!
کندن سی باہیں شام کی یکبارگی اُٹھیں

اک چیخ تھی کہ کالے پہاڑوں تلک گئی
اور شام جیسے رات کے ساگر میں گُھل گئی! (۱۷)

وزیر آغا کی نظموں میں اس تھکن کا احساس جلوہ گر ہے۔ اثبات ذات کی جستجو میں خود کو تلاش کرنے کا سفر جہاں بہت لمبا اور تھکا دینے والا ہوتا ہے وہیں انسان کے اجتماعی لاشعور کو متاثر کرتے ہوئے انسان میں اضطراب کی سی کیفیت کو جنم دیتا ہے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش جس طرح زندگی کے سفر میں ساتھ ساتھ چلتی ہے اور کبھی اختتام پذیر نہیں ہوتی اسی طرح آج تک کوئی بھی انسان وجود ہستی کے بھیدوں سے کُلی طور پر آشنا نہیں ہو سکا۔ اسی وجہ سے انسان کی تلاش و جستجو جو صدیوں سے جاری تھی وہ آج بھی جاری ہے۔ انسان خود کو پا لینے کی خواہش میں مبتلا ہے۔ اور یہ خواہش بہت سے جذبات و احساسات کو جنم دیتی ہے۔

تھکن کے ساتھ خود کو نہ جاننے کا کرب انسان کو اُکتا رہا ہے۔ اپنی پہچان اور ذات کی تکمیل کی خواہش نے انسان کو وسوسوں اور خوف میں مبتلا کر دیا ہے۔ وہ عجب سی ذہنی و نفسیاتی کشمکش میں مبتلا نظر آتا ہے۔ انسانی نفسیات ہے کہ جب وہ کسی چیز کو پا لینے کی جستجو میں

مسلسل ناکامی سے دوچار ہوتا ہے تو بالآخر مایوسی اس کے وجود میں جنم لیتی ہے۔ وزیر آغا کی نظموں میں انسان کے اندر جنم لیے والے سوالات ذاتی مکالموں کی صورت میں جنم لیتے ہیں۔ اور شعور کی رو کی تکنیک کا مظہر بن جاتے ہیں:

میں کس منزلِ بے نشان کی طرف اب رواں ہوں؟
مجھے خشک، بدرنگ چمڑے پہ لکھے سوالوں سے رغبت نہیں تھی
میں منطق کی ورزش سے خود کو تھکانا نہیں چاہتا تھا (۱۸)

وزیر آغا نے انسانی شعور اور لاشعوری کیفیات کو علامات کے ذریعے احسن طریقے سے پیش کیا ہے۔ وہ علامات کا سہارا لے کر اپنی نظم "شام" میں شام کو شعور اور لاشعور کے درمیان توازن کی علامت بناتے نظر آتے ہیں۔ جہاں شعور کی روشنی ماند پڑتی ہے مگر لاشعور کے اندھیرے پوری طرح غالب نہیں ہو سکتے۔ یوں توازن کی صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ کچھ اسی قسم کی علامات کا سہارا لے کر جنسی نفسیات کی عکاس وزیر آغا کی ایک اور نظم "جسم" ہے۔ جس میں انفرادی و اجتماعی انسانی نفسی خواہشات کو علامات میں ڈھالا ہے، یوں شعور و لاشعور کے بیچ توازنی صورت جنم لیتی ہے۔

جس طرح انسانی شعور اور لاشعور کو بالترتیب پانی کے اوپر آئس برگ اور نیچے کے حصے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس طرح وزیر آغا زندگی کے شعور کی نفی کیے بغیر لاشعوری صلاحیتوں کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ اس نظم میں جھرنے بچپن کی، ندی جوانی کی، دریا اُدھیڑ عمری کی اور سمندر وجدانی طور پر کائناتی نظام میں معدوم ہو کر زندگی کے سیال کا حصہ بن جانے کی علامت ہے۔ خوبی کے لحاظ سے اس نظم میں زندگی کے ادوار کے نفسی کوائف اور وزیر آغا کی ذاتی زندگی کے نقشے ان گنت نفسیاتی سانچوں میں ڈھلتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس نظم میں استعمال ہونے والی علامات نے جس طرح انسانی زندگی کے مختلف ادوار کی نفسیات کا احاطہ کیا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ وزیر آغا بچپن اور بچپن کی نفسیات کے بیان کے لیے بچپن کو جھرنے کے عنوان سے عبارت کرتے ہیں:

مسرت کی دولت چھپائے
شکستہ سی اک بیل گاڑی میں
خوشبو میں لپٹی ہوئی چھٹیوں کو
کھلونوں کی صورت
دھڑکتے ہوئے اپنے سینے سے بھینچے
قلاقند اور شہد ایسے دنوں
رس بھری نرم جامن سی

تازہ رتوں کے لیے

کتنا بے تاب!

اور منتظر (۱۹)

بچپن انتہائی بے فکری، خواہشات اور آرزوؤں کا زمانہ ہوتا ہے جس میں انسان ہر غم سے نا آشنا ہوتا ہے۔ فرائیڈ کے نزدیک بچپن خواہشات سے بھرپور دور ہے۔ جس پر عام طور پر لاذات کی حکمرانی ہوتی ہے۔ اس نظم میں معصوم دل لاذات کی علامت ہے جو ابھی "انا" کی پابندیوں سے آشنا نہیں۔ بچپن میں جسمانی طور پر کمزور ہونے سے جس احساس محرومی اور احساس کمتری نے ان میں جنم لیا۔ اس نے وزیر آغا کی شخصیت میں ایک نا امیدی پیدا کی اور شاعری کے ذریعے اس کا برملا اظہار ان کی اس نظم میں ملتا ہے۔ نظم میں اوائل عمری کو "ندی" کی علامت سے ظاہر کیا گیا ہے۔ شاعر اپنے اجتماعی لاشعور کی بدولت دنیا سے ماورا ہونے لگتا ہے۔ جوانی کا دور جامد جنسی جذبے کے ساتھ گزر جاتا ہے۔:

> " آغا شخصیت کے کراماتی روپ کو بھی اُجاگر کرنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو مرکز دوعالم بھی سمجھتے ہیں اور سوال و جواب کی روشنی میں اپنے روبرو بیٹھنے سے بھی گریزاں ہیں۔ اس دو رویہ ارادیت نے انھیں کئی مقامات پر جذباتی اور نظریاتی نقصان سے دوچار کیا۔" (۲۰)

نظم کے تیسرے حصے کا عنوان "دریا" ہے۔ جوانی میں متنوع جذبات، نرگسیت، خود پسندی کی شورش نے ذات میں جو دراڑیں بنائی اب عقل اور تجربے کی سوئی اسے سینے لگتی ہے۔ دیگر ادوار کی طرح اس دور میں بھی انسان شعوری اور لاشعوری طور پر مختلف مراحل طے کرتا ہے۔ اس نظم میں وزیر آغا نے اجتماعی لاشعور اور نسل در نسل منتقل ہونے والے داخلی تجربوں کی جانب سفر کیا ہے۔ نظم کے آخری حصے میں وہ وجدانی کیفیات سے متعارف کرواتے ہیں اور آگہی کی منزل کو طے کرتے انسان کے مشاہدات و تجربات کو نوک قلم کی زد میں لاتے ہیں۔ اور یوں وزیر آغا ژونگ کے اجتماعی لاشعور کے عکاس بن جاتے ہیں۔ اجتماعی تجربات سے حاصل ہونے والے آگہی انسان کو انسانیت کے مشترکہ احساسات کے روبرو کرتی ہے۔ پھر انسان تنہا اور منتشر نہیں رہتا:

> "ڈاکٹر وزیر آغا کے یہاں انسانی سائیکی اور اجتماعی لاشعور کا بڑا عمل دخل ہے۔" (۲۱)

وزیر آغا نے علامات اور تمثیلوں کا سہارا لے کر انسانی تجربات کو لفظوں میں سمونے کی عمدہ کاوش کی ہے۔ ان کی نظم میں برگد کا پیڑ انسانی تجربات کا ورثہ ہے جو کبھی بنجر نہیں ہوتا۔ وہ ایک پیر کامل کی طرح ہے جو وجدان کی شمعیں روشن کرتا ہے انکشاف ذات اور انکشاف اجتماعی لاشعور نے صحرا کو نخلستان میں بدل دیا ہے۔ شاعر خود کو عظیم انسانی تہذیب کی علامت کا حصہ محسوس کرنے لگتا ہے۔

وزیر آغا صرف انسانی نفسیات کا ہی نہیں بلکہ جدید نفسیاتی نظریات کا بھی ایک مستند حوالہ ہیں۔ وہ نہ صرف اپنی جنسی واردات کا بیان کرتے ہیں بلکہ انسانی زندگی میں بچپن کے اثرات، جوانی میں جذبات کا جبر، ادھیڑ عمر میں موت کا خوف اور بڑھاپے میں انکشاف ذات کا بھی بڑی عمدگی سے بیان کرتے ہیں۔ بچپن کا احساس کمتری ایڈلر کے نظریات نمایاں کرتا ہے۔

جوانی کے جنسی جامد پن اور اس کے مسائل میں فرائیڈ سے متاثر نظر آتے ہیں اور آخری عمر میں اجتماعی لاشعور سے حاصل ہونے والی وجدانی کیفیات میں ژونگ کے تصورات کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ کچھ نظموں میں وزیر آغا نے خود کلامی کا انداز اپنایا ہے اور علامتوں اور امیجزی کے استعمال سے مختلف ادوار کے ظاہری و باطنی واردات اور احساسات کو نمایاں کیا۔ یہ امیجزی رومانوی اور وجدانی ساختوں کے علاوہ ماورا واقعیت یا سرئیلزم کی تحریک کے زیر اثر فکر پر مبنی ہے اور کہیں کہیں وزیر آغا نے آزاد تلازمہ کا طریقہ کار بھی اپنایا ہے۔

حوالہ جات

۱. وزیر آغا، ڈاکٹر، نظم جدید کی کروٹیں (لاہور: سنگت پبلیشرز، ۲۰۰۷)، ص:۱۶۸

۲. شہزاد احمد (مترجم)، ایڈلر الفریڈ، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء)، ص:۱۴۹

۳. وزیر آغا، ڈاکٹر، شام اور سائے، (لاہور: مطبع نامی پریس، ۱۹۶۴ء)، ص:۸۹

۴. وزیر آغا، ڈاکٹر، ہم عمر بھر پیدل چلے ہیں، (لاہور: مشمولہ، کاغذی پیرہن، ۲۰۰۷ء)، ص:۰۲

۵. وزیر آغا، ڈاکٹر، دن کا زرد پہاڑ، (لاہور: جدید ناشرین، ۱۹۶۹ء)، ص:۱۳

۶. انور سدید، ڈاکٹر، ڈاکٹر وزیر آغا ایک مطالعہ، (کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۳ء)، ص:۲۵

۷. وزیر آغا، ڈاکٹر، نردبان، (لاہور: مکتبہ جدید پریس، ۱۹۷۹ء)، ص:۸۹

۸. ناصر عباس نیر، دن ڈھل چکا تھا، (سرگودھا: مکتبہ نردبان، ۱۹۹۳ء)، ص:۲۷-۲۶

۹. وزیر آغا، ڈاکٹر، دن کا زرد پہاڑ، ص:۴۸

۱۰. ناصر عباس نیئر، دن ڈھل چکا تھا، ص:۳۷-۳۶

۱۱. احمد ہمدانی، (مرتبہ انور سدید) وزیر آغا کے حوالے سے، (لاہور: مشمولہ: شام کا سورج، مکتبہ فکر و خیال، ۱۹۸۹ء)، ص: ۴۰

۱۲. وزیر آغا، ڈاکٹر، گھاس میں تتلیاں، (لاہور: مکتبہ جدید پریس، ۱۹۸۵ء)، ص:۵۵

۱۳. وزیر آغا، ڈاکٹر، شام اور سائے، (لاہور: مطبع پریس، ۱۹۶۴ء)، ص:۸

۱۴. وزیر آغا،ڈاکٹر، گھاس میں تتلیاں، ص:۱۳۴

۱۵. وزیر آغا،ڈاکٹر،اک کتھا انوکھی،(لاہور: مطبع آصف اقبال پرنٹرز، ۱۹۹۰ء)، ص:۱۳

۱۶. ایضا،ص:۱۵

۱۷. وزیر آغا،ڈاکٹر، نظم جدید کی کروٹیں، ص:۷۹

۱۸. وزیر آغا،ڈاکٹر،شام اور سائے، ص:۱۶

۱۹. وزیر آغا،ڈاکٹر،ہم عمر بھر پیدل چلے ہیں، ص:۲۹

۲۰. وزیر آغا،ڈاکٹر،شام اور سائے، ص:۴۴

۲۱. وزیر آغا،ڈاکٹر، آدھی صدی کے بعد،(سرگودھا: مکتبہ اردو زبان،۱۹۸۱ء)، ص:۱۱

۲۲. شاہین مفتی، جدید اردو نظم میں وجودیت،(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۱)، ص:۳۱۹

۲۳. جمیل آذر(مدیر وزیر آغا)، نئی نظم کیا ہے،(لاہور: اوراق، جلد ۱۲، شمارہ ۸-۷، جولائی / اگست،۱۹۷۷ء)، ص:۴۴۳

۲۴. وزیر آغا،ڈاکٹر، آدھی صدی کے بعد، ص:۵۱